حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ
مکتوبات کے آئینہ میں

از جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی ایم۔ اے

آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے کا ذکر ہے کہ دہلی میں ایک نہایت عظیم المرتبت بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ چشتیؒ رہتے تھے۔ شاہ جہاں آباد، بازار خانم میں ان کی خانقاہ تھی۔ خانقاہ کیا تھی، علم و معرفت کا سرچشمہ تھی۔ ہزاروں تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے۔ شائقینِ علم و فضل ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونا باعث فخر و مباہات تصور کرتے تھے۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

"امرا و فقرا حلقہ اعتقاد در گوش داشتند و بہ مطالب دینی و دنیوی کامیابی اندوختند"[1]

شاہ صاحب کے علمی اور روحانی دونوں مراتب نہایت بلند تھے۔ لوگ ان کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے۔ مصنف ماثر الکرام کا بیان ہے "در علوم عقلی و نقلی پایہ بلند و در حقایق و معارف رتبۂ ارجمند داشت"[2]

شاہ صاحب کے اسلاف معماری کا پیشہ کرتے تھے لیکن خود اُن کو بقول آزادؔ "اللہ تعالیٰ نے دلوں کی معماری کے لئے مخصوص کیا تھا"[3]

شاہ صاحب نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانہ میں روشن کی جب کہ ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا۔

---

[1] ماثر الکرام ص ۴۲۔ [2] و [3] ایضاً ص ۴۲۔

معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا۔ زندگی "سکرِ دوام" میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہر شخص ایک گونہ بے خودی کے عالم میں مست و خراب تھا۔ دلی کی عظمت روز بروز گھٹ رہی تھی۔ صوبوں میں نوابیاں اور خود مختاریاں قائم ہو رہی تھیں۔ مرہٹوں کا سیلاب طوفانِ بلاخیز کی طرح امنڈتا چلا آرہا تھا مسلمانوں کا جاہ و جلال جواب دے رہا تھا۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی۔ اور اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو اوہام کا تار و پود۔ شاہ صاحب نے تنزل اور انحطاط کے اس دور میں احیاءِ ملت اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے جو کوششیں کیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ حالات کی ناماعدت کو پہچانتے تھے، زمانہ کی رفتار کو دیکھتے تھے لیکن ہمت نہ ہارتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے "دراعلائے کلمۃ الحق باشید و جان و مال خود صرفِ ایں کار کنید"[1]

شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی کا پتہ ان کے مکتوبات سے چلتا ہے لیکن افسوس ہے اس حیثیت سے ان کے مکتوبات کا اب تک مطالعہ نہیں کیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی سے لوگ پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس مضمون میں شاہ صاحب کی تبلیغی کوششوں اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے مکتوبات کی روشنی میں بحث کی جائے گی۔

مختصر حالات | شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء کو پیدا ہوئے تھے، خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں "بست و چہارم جمادی الثانی مولد فقیر است و تاریخ تولد فقیر غنی است" (غ ۱۰۰۰ + ن ۵۰ + ی ۱۰ = ۱۰۶۰)[2]

علوم ظاہری کی تکمیل دہلی میں فرمائی۔ اس کے بعد عازم حج ہوئے، مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ سے ملاقات ہوئی۔ شیخ کے تقدس اور علم و فضل سے شاہ صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد شاہ کلیم اللہ صاحب دہلی واپس تشریف لائے

---

[1] میرے پیشِ نظر شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے تین نسخے ہیں۔ ایک قلمی دو مطبوعہ۔ قلمی پر سنہ کتابت درج نہیں۔ ایک نسخہ مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ کا ہے دوسرا مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ کا۔ اس مضمون میں جس جگہ میں نے صفحات کے حوالہ دیئے ہیں وہ موخر الذکر نسخہ سے ہیں۔ مکتوب ۲۱ ص ۲۶۔ [2] مکتوب ۱۲۵ ص ۹۳

اور بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور سلسلۂ درس و تدریس شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ امرا و فقرار سب آپ کے گرویدہ ہو گئے اور آپ کے درس میں شریک ہونے لگے۔

شاہ صاحب کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔ وہ عسرت اور تنگی میں دن گذارتے تھے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا تو کیا معنی امراء و سلاطین کی نذریں اور جاگیر نامے تک قبول نہ کرتے تھے۔ "تکملہ سیر الاولیا" کا بیان ہے کہ "شیخ کی ملکیت میں لے دے کے کل ایک حویلی تھی جس کا ماہوار کرایہ ۱۲؍ آتا تھا۔ شیخ اسی سے گذراوقات کرتے تھے ۸؍ ماہوار پر ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا اور باقی دو روپے میں پورے گھر کا خرچ چلاتے تھے"۔ [1]

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ قحط یا دیگر غیر معمولی حالات کے باعث اس مختصر سی آمدنی میں گذراوقات نہ ہو سکی اور وہ قرض دار ہو گئے۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھتے ہیں:۔

"دریں سالہا کہ از تنگی باراں صورتِ قحط دریں ملک شدہ بود۔ و با نہ دہ نفر سوار مہمان گذران می شد گاہ بیگاہے قرض دار می شدم" (م ۱۷، ص ۲۱)

لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب نے کسی بادشاہ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ ان کی شانِ استغنا اور خودداری کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ان کے سلسلہ کے کسی بزرگ نے اسے روا نہ رکھا تھا۔ فرخ سیر نے بہت کوشش کی شاہ صاحب کو بیت المال سے کچھ دیدیا جائے لیکن انھوں نے ہر بار انکار کر دیا۔ "تکملہ سیر الاولیا" میں لکھا ہے۔

"بادشاہ فرخ سیر بارہا الحاح نمود کہ حضرت از بیت المال چیزے قبول فرمانید ایشاں جواب دادند کہ حاجت نیست، باز عرض کرد کہ حویلی از بہر نزول در معرض اقدس فرمودند	بادشاہ فرخ سیر نے بارہا اصرار کیا کہ حضرت بیت المال سے کچھ قبول فرمالیں جواب دیا کہ ضرورت نہیں ہے پھر بادشاہ نے کہا کہ اچھا اپنے رہنے کے لئے ایک حویلی ہی قبول کر لیجئے۔ ارشاد ہوا۔ اس کی

[1] "ذکر الاصفیا" معروف بہ "تکملہ سیر الاولیار" مصنفہ خواجہ گل محمد احمد پوری ص ۸۵۔ مطبوعہ مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ

بہ این نیز حاجت نیست،[۵۱] بازعرض نمود اگر	بھی ضرورت نہیں ہے۔ بادشاہ نے پھر عرض کیا، اگر
اجازت باشد بندہ درخدمت آمدہ سعادت	اجازت ہو تو خاکسار خدمتِ والا میں حاضر ہو کر
دارین بہ قدم بوسی حاصل نمودہ باشد فرمودند	شرف قدم بوسی ہی حاصل کر لیا کرے فرمایا آپ
کہ تو ظلِ الٰہی ہستی در سایۂ آں ذات ہمیشہ بہ	ظلِ الٰہی ہیں۔ آپ کے زیرِ سایہ میں ہمیشہ دعا گوئی
دعا گوئی مشغول ام۔ بہ آں نیز حاجت	میں مشغول ہوں اس کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ
نیست بلکہ بندہ را تصدیع خواہد رسید" (ص ۵۵)	بندہ کو اس سے تکلیف ہو گی۔

شاہ صاحب نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ مومن کے اس شعر کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ؎

نارسائی سے دم رُکے تو رُکے میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ بلکہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی طرح یہ اشعار اُن کی زبان پر رہتے تھے ؎

ہر کہ مارا[۵۲] رنجہ دارد راحتش بسیار باد ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد

ہر کہ خارے برنہد در راہِ ما از دشمنی ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

آخر عمر میں شاہ صاحب کو نقرس اور وجع المفاصل کے امراض لاحق ہو گئے تھے۔ ایک خط میں جو تقریباً ۷۸، ۷۹ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے[۵۳] فرماتے ہیں۔

---

[۵۱] بعد کو شاید شاہ صاحب نے ایک حویلی قبول فرمالی تھی۔ ایک مکتوب میں نظام الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔
"شاہ ضیاء الدین برائے فقیر از بادشاہ حویلی یک ہزار و دو درعہ بازار خانم کہ مشتمل است
بر یک ایوان و دو حجرہ و یک چاہ و یک چاچہ گرفتند" ص ۸۱ ص ۶۴

[۵۲] حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانِ مبارک پر بھی اپنے دشمنوں کے لئے یہی اشعار آتے تھے ملاحظہ ہو
سیر الاولیا۔ از میر خورد۔ ص ۲۰۴ (اردو۔ لاہور)

[۵۳] اسی مکتوب میں لکھتے ہیں "امروز نہم شہر جمادی الثانی است۔ سال عمر ہفتاد و ہشت است۔ چہاردہ یا پانزدہ روز باقی است کہ شروع سال نہم خواہد شد" م ۱۲۵ ص ۹۳۔ شاہ صاحب نے ۸۲ سال کی عمر پائی۔

"آزار نقرس ووجع المفاصل بافراط شدہ	نقرس اور گٹھیا کی تکلیف حد کو پہنچ گئی ہے، بایاں
کہ دست چپ وزانوئے پائے راست ہردو	ہاتھ اور سیدھے پاؤں کا گھٹنا اور دونوں پر سوجے
پاآماسیدہ اند وچہار ماہ است کہ صاحبِ	ہوئے ہیں۔ چار مہینوں سے بستر پر پڑا ہوا ہوں
فراشم دریں روز لنگ لنگاں باستعانت	ان دنوں میں بعض لوگوں کی مدد سے لنگڑاتا
چندے از اندروں بخانہ میتوانم رفت	لنگڑاتا گھر سے باہر جاسکتا ہوں۔ نماز تیمم
نماز بہ تیمم نشستہ می خوانم" (م ۱۲۵ ص ۹۳)۔	سے بیٹھکر پڑھتا ہوں"

لیکن ان تکالیف کے باوجود اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہے[۱]۔ اسی حالت میں وہ اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو خطوط لکھتے تھے اور ضروری ہدایات دیتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ[۲] کو وصال فرمایا۔ جامع مسجد اور قلعہ کے درمیان آپ کا مزار پر انوار ہے۔ غلام سرور نے ان اشعار سے تاریخ وفات نکالی ہے[۳] ؎

کلیم اللہ چو از فضلِ الٰہی — زدنیا شد بخلدِ جاودانی
دو تاریخست بہر سال وصلش — برآید مدعا از وے چو خوانی
یکے موسیٰ ثانی ۱۱۴۲ کاشف دیں — دگر عرفانِ ۱۱۴۲ دیں موسیٰ ثانی
کلیم اللہ چشتی ۱۱۴۲ مبارک — بگو ترحیل آں شیخ زمانی

تصانیف | شاہ کلیم اللہ صاحبؒ بڑے پایہ کے بزرگ ہونے کے ساتھ بڑے جید عالم بھی تھے انھوں نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جن سے اُن کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کلام پاک کی نہایت اعلیٰ تفسیر انھوں نے عربی زبان میں لکھی۔ اس کے علاوہ تصوف پر مختلف کتابیں سپردِ قلم فرمائیں

---

[۱] "درہدایت خلق اللہ واعلاء کلمۃ اللہ تادم واپسیں کوشش بلیغ بکار بردند"
مولوی محمد قاسم کلیمی مرتب مکتوبات ص ۲

[۲] آزاد بلگرامی نے سنہ وفات ۱۱۴۳ھ لکھا ہے۔ خزینۃ الاصفیا (جلد اول ص ۴۹۵) میں ۱۱۴۲ھ ہے
محمد قاسم کلیمی نے دیباچہ مکتوبات میں ۱۱۴۲ھ ہی دیا ہے۔

[۳] خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول ص ۴۹۵۔

مثلاً عشرۂ کاملہ، سوار السبیل، کشکول، مرقع۔ شاہ صاحب نے ایک کتاب "ردِ روافض" بھی تصنیف فرمائی تھی۔

شاہ صاحبؒ کی ان تمام تصانیف میں "کشکولِ کلیمی" کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ صوفیائِ متاخرین اسے اپنا "دستور العمل" سمجھتے[1] تھے۔ خود شاہ صاحب نے کشکول کے شروع میں فرمایا ہے۔

"یہ ایک ایسا کشکول ہے جس کے نوالے لطیفۂ ربانی کو طاقت بخشتے ہیں۔ نفسِ ناطقہ کو قوت دیتے ہیں اور مجازی اسلام کے پیکر میں ایمانِ حقیقی کی روح پھونک دیتے ہیں طبیعت کے مردہ لوگوں کو ابدی زندگی عطا فرماتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانی کے بیماروں کو روحانی شفا دیتے ہیں"[2]

شاہ صاحبؒ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاص مریدین کو اصلاحِ نفس اور روحانی ترقی کے لئے کشکول کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"شما صحبت ہا دریافتہ اند۔ دو کشکولے و مرقع آنجا موجود اند ہر طالب را موافق حوصلہ آں بہ نیابت ذکرے و شغلے بفرمائید۔" (م ۱۲۶ ص ۹۴)

مکتوبات | ان تصانیف کے علاوہ شاہ صاحب نے اپنے مکتوبات بھی چھوڑے ہیں جن کا مجموعہ "مکتوباتِ کلیمی" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ مکتوبات کئی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ ان میں اگر ایک طرف شاہ صاحب کی جیتی جاگتی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے تو دوسری طرف ان کی تبلیغی کوششوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھچ جاتا ہے۔ شاہ صاحب کی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے پرخلوص جدوجہد، چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لئے ان تھک کوشش، لشکریوں اور عوام میں روحانی تعلیم وتربیت کے لئے سعی بلیغ۔ ان سب کا اندازہ ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے۔

تعداد میں کل مکتوبات ۱۳۲ ہیں۔ یہ سب اپنے مریدوں کے نام مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں۔ سو سے زیادہ خطوط شاہ صاحب نے اپنے ایک عزیز مرید شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو

---

[1] تکملہ سیر الاولیا ص ۸۱ ۔ [2] کشکول کلیمی ۔ ص ۲۔ مطبع مجتبائی ۱۸۹۴ء

دکن بھیجے ہیں۔ باقی خطوط مولانا محمد، دیارام، عبدالرشید وغیرہ کے نام ہیں۔ شیخ نظام الدین صاحب کے نام جو مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ نسبتاً زیادہ صاف اور مفصل ہیں اور حقیقت میں تمام مجموعہ کی جان ہیں۔ چونکہ اکثر مکتوبات شیخ نظام الدین صاحب کے نام ہیں اس لئے بے جا نہ ہوگا اگر ان کے متعلق بھی یہاں کچھ عرض کر دیا جائے۔

شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ کلیم اللہ صاحب کے عزیز ترین مرید اور خلیفۂ راشدین تھے۔ ان کے وطن کے متعلق معلوم نہیں۔ تکملہ سیر الاولیا، خزینۃ الاصفیا اور مناقب فخریہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا۔ وہاں سے علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل کے لئے دہلی چلے آئے تھے۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ پہلی بار جب شیخ نظام الدین، شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو محفلِ سماع منعقد ہو رہی تھی۔ شاہ صاحب کا دستور تھا کہ سماع کے وقت مکان کے دروازے بند کرا دیتے تھے اور پھر کسی ناآشنا شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شیخ نظام الدین نے دروازہ پر دستک دی۔ شاہ کلیم اللہ صاحب نے آواز سن کر ایک مرید کو اشارہ کیا کہ باہر جا کر دیکھے۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو نام دریافت کیا اور آ کر شیخ سے عرض کی کہ ایک بیگانہ شخص، گدا صورت نظام الدین نامی طالبِ ملاقات ہے شیخ نے نام سنتے ہی فوراً حکم دیا کہ جلدی سے اس کو اندر لے آؤ۔ مریدوں کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ شیخ نے کیوں ایک ناآشنا اور بیگانہ شخص کو سماع کے وقت اندر آنے کی اجازت دی، لیکن شیخ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی: "ازیں شخص ونام نامی وے بوئے آشنائی می آید غیر نیست" اور شیخ نظام الدین سے نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور ان کی ظاہری تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔

عرصہ تک شیخ نظام الدین، شاہ صاحب کی خدمت بابرکت میں رہے اور علوم ظاہری میں دستگاہ حاصل کرتے رہے۔ ایک دن شاہ کلیم اللہ صاحب مجلس سے اٹھے اور فرش کے کنارے پر آئے شیخ نظام الدین نے فوراً جوتے اٹھائے اور صاف کر کر رکھے۔ شاہ صاحب کو شیخ نظام الدین کی

یہ ادا بہت پسند آئی۔ اور کمالِ محبت سے اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا " نظام الدین تو ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آیا ہے یا فوائد باطنی حاصل کرنے جو زیادہ اچھے اور بہتر ہیں"۔ شیخ نظام الدین نے فوراً جواب دیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

شاہ صاحب کو یہ شعر سن کر اپنے پیر شیخ یحییٰ مدنی کی وہ پیشین گوئی یاد آگئی جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ ایک شخص ایسے موقع پر یہ شعر پڑھے گا وہ ہماری نسبت کا مالک ہوگا اُس سے سلسلۂ چشتیہ کو بے حد ترقی ہوگی۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اور اس وقت سے ان پر خاص التفات اور توجہ فرمانے لگے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ جب تعلیم و تربیت کا سلسلہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے ان کو دکن روانہ فرمادیا۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ ہندوستان کی سیاست کا مرکزِ ثقل شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہوچکا تھا۔ بادشاہ، شاہی خاندان، فوج کا بیشتر حصہ، سب دکن میں پہنچ چکا تھا۔ شمالی ہندوستان کی اہمیت نسبتاً کم ہوگئی تھی۔ دہلی۔ آگرہ۔ لاہور سب اپنی عظمتِ پارینہ کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ محلات میں حسرتناک خاموشی طاری تھی۔ سارا ساز و سامان تالوں میں بند پڑا تھا[۱]۔ اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ بہت نازک وقت تھا۔ شاہ صاحب نے وقت کی آواز کو پہچانا اور اپنے عزیز ترین مرید شیخ نظام الدین کو تبلیغ و اصلاح کے کام کے لئے دکن روانہ فرمایا۔ خود ایک مکتوب میں شیخ نظام الدین کو لکھتے ہیں۔

"تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے تم یہ کام پورے طور پر انجام دو۔ میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ۔ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہو، اور اپنے جان و مال کو اس میں ہی صرف کردو"۔ (م ۲۱ ص ۲۶)

مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین لشکرِ شاہی کے ہمراہ دکن گئے تھے اور کچھ عرصہ

---

[۱] ماثر عالمگیری ص ۴۸۳۔

دکن میں اُن کی نقل وحرکت لشکر کے ساتھ ہوتی رہی۔ ان کے خطوط لشکریوں کے ذریعہ آتے جاتے تھے اور شاید اسی وجہ سے شاہ صاحب نے ایک مکتوب میں تاکید کی تھی کہ وہ دکن کے حالات بڑی احتیاط سے لکھا کریں۔ (م ۵۱ ص ۴۸)

مکتوبات میں جگہ جگہ لشکر کا ذکر ملتا ہے، مثلاً

(۱) "از ابتدائے آمدن شما در لشکر بادشاہی کہ تا تاریخ حال ہفت ہشت ماہ گذشتہ باشد دو کتابت رسیدہ" (م اول، ص ۶)

(۲) "در لشکرے کہ شما ہستید اکثر شنیدہ می شود کہ معتقدات رفض بغایت رائج است (م، ص ۱۳)

(۳) "قبل ازیں می نوشتم کہ بہ لشکر بروید اکنوں ایں امر است ہر جا باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید" (م ۲۱، ص ۲۶)

(۴) "مکتوب شما از لشکر رسید" (م ۳۲، ص ۳۴)

(۵) "شاہ ضیاء الدین ہمراہ لشکر اعظم شاہ بہ شہر کانور رفتہ اند۔ وشاہ اسد اللہ لشکر را نخواہند گذاشت واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔ بہر طریق بودن شما در لشکر موجب رحمت علیٰ عباد اللہ است" (م ۳۳، ص ۳۵)

(۶) "حکم آں است کہ در لشکر خدمت گاری طالب علمان حق نمائید و ایں سعادت خود شمارید وجہد کنید تا مردم بسیار از حضیض غفلت بزاویۂ معرفت بطفیل شما رسند" (م ۶۰ ص ۵۲)[1]

چنانچہ شیخ نظام الدینؒ نے اپنے پیر ومرشد کے زیرِ ہدایت عرصہ تک دکن کے لشکریوں میں تبلیغ واصلاح کا کام کیا۔ ان کی کوششیں اس بارے میں بہت کامیاب ثابت ہوئیں۔ لشکر کے لوگ ان کے گرویدہ ہونے لگے۔ خود شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"دیگر معلوم شد کہ از لشکر دو جوان بسیار از وضع شما محظوظ بودند و تعظیمے انداق شما می کردند

---

[1] اختصار کے مدنظر اور مکتوبات جن سے شاہ صاحب کا لشکر سے تعلق ظاہر ہوتا ہے یہاں نقل نہیں کئے گئے مثلاً م ۸۰ ص ۶۰، م ۱ ص ۷ وغیرہ۔

معلوم شد کہ کمال رشد شناختہ اند" (م ۱۶، ص ۲۲)

دکن میں شاہ نظام الدین صاحب مختلف مقامات پر اقامت گزیں رہے۔ مکتوب (۵۴، ص ۴۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ بیجاپور بھی آپ کا قیام رہا۔ "خطے کہ بعد از سیر بیجاپور ۲۱ رشوال مرقوم بود رسید" (ص ۴۴)

مکتوباتِ کلیمی سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ دہلی سے دکن روانہ ہوئے تو برہان پور بھی کچھ عرصہ قیام فرمایا، ایک مکتوب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"الحمد اللہ دریں روزہا در برہان پور خوبیہا است وطن اختیار بکنید اما برلب آب اگرچہ صحرا باشد انشاء اللہ تعالیٰ آبادی ہم آنجا خواہد رفت" (م ۲۵، ۲۹)

برہان پور کی تاریخی[۵۱] اور جغرافیائی اہمیت کے پیشِ نظر اسی کو وطن بنانے کا مشورہ دیتے ہیں:۔

"برائے توطن شہر برہان پور در جمیع خوبیہا است خوب است ہم گذر مردم ہندوستان و ہم گذر مردم دکھن و ہم گذر حجاج بیت الحرام واکثر درویشاں دریں شہر بودند اما تکیہ برلب آب اختیار کنند و از نظام پورہ نام نہند" (م ۶۱، ص ۵۳)

لیکن بقضائے الٰہی برہان پور مستقر نہ بن سکا اور آپ اورنگ آباد پہنچے۔ پیرو مرشد نے خط لکھا۔

"خواجہ عبداللطیف نے لکھا تھا کہ شاہ نظام الدین جیو اورنگ آباد چلے گئے ہیں لیکن تمہارے خط نہ آنے سے تشویش ہے۔ معلوم ہوا کہ ابھی جگہ مقرر نہیں ہوئی ہے" (م ۵۲ ص ۴۸)

آخر کار اورنگ آباد ہی میں قیام فرمایا[۵۲] اور رشد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی جس کے گرد شاہ و گدا پروانہ وار نثار ہوئے[۵۳]۔ اگر ایک طرف عوام کا ان کی خانقاہ میں ہجوم تھا تو دوسری طرف نواب غازی الدین بہادر اور نظام الملک آصف جاہ اول ان کی خدمت میں ہدیہ عقیدت و نیاز پیش کرتے تھے۔

۵۱؎ برہان پور کے تاریخی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مخزن اگست ۱۹۰۶ء مضمون مولانا سعید احمد مارہروی۔ (ص ۳۴ - ۲۸)

۵۲؎ شیخ نظام الدین صاحب نے ۱۱۴۲ھ میں بمقام اورنگ آباد وصال فرمایا وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

۵۳؎ "نقل است از مناقب فخریہ کہ حضرت شیخ نظام الدین را از صد ہزار مرید زیادہ بود و اکثر مریدانش صاحبِ حال و اہل کمال اند" تکملہ سیر الاولیا ص ۹۴۔

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی تبلیغی مساعی

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی تبلیغی مساعی کا اندازہ ان کے مکتوبات سے ہوتا ہے۔ ان مکتوبات میں ایک بے قرار اور بے چین قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ ہر خط میں وہ اپنے مرید کو اعلاء کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں۔

(۱) "جان و مال خود را صرف ایں کار کنید" (م ۲۱، ص ۲۶)

(۲) "فیضِ دینی و دنیوی بہ عالم رسانند و ہمہ حلاوت عیش خود را فدائے آں بندگان باید کرد" (م ۷۵، ص ۶۰)

ان کی حساس روح اسلام کو ہندوستان میں انتہائی ترقی پذیر دیکھنا چاہتی تھی۔ ان کا احساسِ ملی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لئے مضطرب تھا۔ بار بار مریدوں سے کہتے ہیں "دراں کوشید کہ صورتِ اسلام وسیع گردد و ذاکرین کثیر" (م ۷۶، ص ۶۰)

وہ خطوط میں اور باتیں بھی لکھتے ہیں لیکن جس کو بار بار دہراتے ہیں وہ یہ ہی ہے (۱) "بہر حال دراعلائے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید" (م ۶ ص ۱۱) (۲) "متوجہ اعلاء کلمۃ الحق باشند واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون" (م ۸۰ ص ۶۲)

ان کے قلب مضطر کی آواز صرف ایک جملہ میں پوشیدہ تھی "از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید" اسی دُھن میں ان کے شب و روز گزرتے تھے۔ وہ دہلی میں تھے لیکن دکن کا نظامِ تبلیغ و اصلاح ان کی ہدایتوں کے ماتحت کام کر رہا تھا۔ وہ ناساز گار حالات کو دیکھتے تھے لیکن اللہ پر ان کا بھروسہ تھا اور لا تقنطوا پر ان کا ایمان۔

امراء کو مادیت پسند دیکھ کر ان کا قلب پریشاں ہونے لگتا تھا اور گھبرا گھبرا کر کہتے تھے۔

(۱) "دراں باید کوشید کہ اکثر اہلِ دول دل از دنیائے دوں کندہ میل بطرف عقبیٰ پیدا کنند" (م ۷۵، ص ۶۰)

(۲) "قصد کنید کہ مخلصاں شما از سیر دنیا پرستی بر خیزند" (م ۶۱ ص ۵۳)

(۳) "بر دل بندگان خدا محبتِ دنیا سرد گردانند" (م ۱۳ ص ۱۹)

جب عیش پرستی اور نفس پروری میں عام مسلمانوں کو گرفتار دیکھتے ہیں تو چلا چلا کر کہتے ہیں

"اے دوست دنیا جائے نفس پروری و تن آسانی نیست" (م ۷۲، ص ۵۹)

تبلیغِ دین ودعوتِ حق کے ثواب اور فضیلت کو ان پُرزور الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔
"واقرب عند اللہ و رسولہ آں کسے روز رستخیز است کہ در افشائے نور باطن ایمان ساعی است" (م ۱۴، ص ۵۹)
جذبۂ اعلاءِ کلمۃ الحق کا اتنا غلبہ ہے کہ شیخ نظام الدین کو اپنے ایک مرید کے منصبِ شاہی ملنے کی اطلاع دیتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اصل نصب العین کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں "اے برادر منصب ما وشما فقر است کوشش کنید در اعلاء کلمۃ اللہ" (م ۵۴ ص ۴۹)

ان کی تمنا تھی کہ ان کے تمام مرید اشاعتِ اسلام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے کمربستہ ہوجائیں اور وہ خلافت اسی مقصد کے پیشِ نظر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین نے ایک شخص کے لئے خلافت کی سفارش کی تو جواب میں ارشاد ہوا "جب تک اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے کمرِ ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ"۔ (م ۳۹، ص ۳۹)

بار بار ان کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ تبلیغِ اسلام اور احیائے دین کی کوشش کرو۔ یہی مسلک ہمارے بزرگوں کا رہا ہے۔ اس میں کوتاہی اچھی نہیں۔ اپنے مرید محمد علی کو لکھتے ہیں "ہمیشہ در اعلائے کلمۃ اللہ کہ از پیران من وعن رسیدہ کوشش نمایند" (م ۱۱۵، ص ۸۸)

احیائے دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی فضیلت کو وہ یہ کہکر ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہ موجب رضائے الٰہی ہے اور انبیاء کا خصوصی کام ہے۔ "دریں باب جہاد نمایند وایں کار سہل نہ انگارند و منتشرا در معمورۂ عالم سازند کہ رضائے الٰہی دریں است واصلاح مفاسدۂ فرزندانِ آدم نمایند کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کار بودہ اند"[۱] (م ۱۱۵، ص ۸۸)

ایک مکتوب میں اس کو "کارِ بزرگ" کہتے ہیں "شمارا کار بزرگ ایصالِ فیض واعلاءِ کلمۃ اللہ فرمودہ ام ہم دریں کار گرم آمدید" (م ۲۸، ص ۳۱)

---

[۱] حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نے تبلیغ و اصلاح کا جو مرکز بستی نظام الدین میں بنایا ہے اور اس کا کام جس نہج پر ہو رہا ہے اس میں بھی اسی تحریک کی جھلک نظر آتی ہے۔ مولانا مرحوم کی دعوت وتحریک کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ تبلیغ کا کام انبیاء کا خصوصی کام ہے۔ اور نبوت اگرچہ ختم ہوچکی لیکن کارِ نبوت ختم نہیں ہوا۔

شاہ صاحب کے اس اصرارِ پیہم اور کوششِ مسلسل نے مریدوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ شیخ نظام الدین صاحب نے اپنے پیر و مرشد کی ہدایات پر عمل کیا اور بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ جب شیخ نظام الدین کا ایک مرید نور محمد ان کا خط لیکر دہلی آیا تو شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے سب کیفیت دریافت فرمائی۔ شیخ نظام الدین کی تبلیغی مساعی کو بنظر استحسان دیکھا اور اس مضمون کا ایک خط بھیجا:- "مطالعہ فرمانید امروز کہ ۶ر محرم الحرام ۱۱۱۳ھ مرقوم می گردد کہ میاں نور محمد خادم شما کہ از اولاد حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا کتابت شما آوردہ اند ...... الحمد للہ والمنۃ در اعلاء کلمۃ اللہ سعی موفور مبذول است۔ مرقوم بود کہ در حین وضع اعلار بیشتر است بہ نسبت آں وضع۔ اے برادر بہر حال مقصود ایصال فیض فقر محمدی است بعالمیان بہر وضع کہ بیشتر ایں کار سرانجام یابد باید کرد" (م ۴۸ ص ۴۶)

شیخ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہو گئے بعض اپنے قبیلہ کے ڈر سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "و دیگر مرقوم بود بہیہ دیارام و ہندوہائے دیگر بسیار در ربقہ اسلام درآمدہ اند اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند" (م ۲۱ ص ۲۵)

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے

"برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت درعقب است مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمانان حقیقت را بسوزانند، دیارام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد" (م ۲۱ ص ۲۵)

اس مکتوب سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی کس حد تک دکن میں کامیاب ہوئی تھیں۔ اس خط میں دیارام کا ذکر ہے۔ یہ شخص بھی ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلہ کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسرے خط سے پتہ چلتا ہے کہ دیارام کا اسلامی نام شاہ صاحب نے فیض اللہ رکھا تھا۔ "بہ دیارام یعنی شیخ فیض اللہ اگر کتابت

می نویسد جواب می نویسیم" (م ۴۲ ص ۱۸)

معلوم ہوتا ہے کہ دیارام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے مسلمان ہونے کا اظہار نہ ہوجائے خطوط بہت کم لکھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"محبت اطوار خواجہ دیارام از یاد حق بہ آرام تمام باشند قبل ازیں نمیقۂ ارسال ایں طرف نمودہ بودند۔ یکے از دوستاں شاہ نظام الحق والدین رسانید۔ وازیں طرف مکرر جواب رفتہ۔ قاصداں نامہ بر را چہ تواں کرد" (م ۱۰۸ ص ۸۴)

دیارام کو درود کی مواظبت اور چند کتب سلوک کے مطالعہ کی تاکید شیخ نظام الدین صاحب کے ذریعہ اس طرح فرماتے ہیں:۔

در جواب بدیارام نوشتہ آمد کہ مواظبت بہ درود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسیار نمایند کہ سرمایہ سر سعادت ایں است دیگر مطالعہ کتب سلوک وتواریخ چوں نفحات وتذکرۃ الاولیا ورسائل حقائق چوں لمعات وشرح لمعات ولوائح وشرح آں در مطالعہ داشتہ باشند اما احدے از بیگانگاں مطلع نشود" (م ۶ ص ۱۲-۱۱)

شاہ صاحبؒ کا نظام تعلیم وتربیت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کے لئے ایک نہایت مکمل نظام قائم کیا تھا۔ انھوں نے اپنے ان تمام مریدوں کی جن کو تبلیغی واصلاحی کام پر مامور کیا تھا نہایت سختی سے نگرانی کی۔ وہ ان سے بار بار معلوم کرتے رہتے تھے۔

"کجا تا بکجا ترقی کردہ اند" (م ۳۳، ص ۳۵)

وہ خود دہلی میں رہتے تھے لیکن دکن کا نظامِ تعلیم وتربیت ان کی زیر ہدایت کام کر رہا تھا معمولی معمولی معاملات پر مرکز سے ہدایات روانہ کرتے تھے۔ مریدوں کا حال یہ تھا کہ بغیر اُن کی اجازت کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ایک خط میں خود نظام الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔

"رحمت خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ بے اجازت قدم برنداز ند کسیکہ بدولتے رسیدہ ہمیں ادب رسید" (م ۵ ص ۹)

خطوط کے معاملہ میں نہایت باقاعدگی برتتے تھے۔ خط میں دیر ہو جاتی تو شاق گذرتا انتظار میں رہتے اور لکھتے ہ۔

(۱) "در ایصال نامجات تسامح نورزند المکتوب نصف الملاقات است" (م ۲۳ ص ۲۸)

(۲) "عذر نوشتن کتابت از طرف ما اگر باشد مقبول است و مسموع و از طرف شما نامقبول و نامسموع" (م ۳۳ ص ۳۵)

(۳) "مکتوب محبت اسلوب مدتہا است کہ نرسید چشم نگراں است" (م ۶۴ ص ۵۴)

(۴) "مکتوب پے در پے نوشتہ باشند چشم انتظار در رہ مکتوب شما است" (م ۷۷ ص ۶۰)

(۵) "مکتوب شما مدتے است کہ دیدہ را سرور نہ بخشیدہ" (م ۷۶ ص ۶۰)

وہ چاہتے تھے کہ مرید جو خط بھیجیں وہ محض رسمی نہ ہوں بلکہ اس میں اپنے پورے حالات و واردات اور تقسیم اوقات کی بابت لکھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن مشاغل میں ان کا وقت صرف ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں کس حد تک سرگرم ہیں شاہ صاحب کے نزدیک ان کے اصلاحی نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر تھا کہ مریدوں کی پوری نگرانی کی جائے۔ اور اُن کی خلوت وجلوت کا پورا پروگرام مرتب کیا جائے۔ وہ ضبط اوقات اور پابندی اصول کا درس دیتے رہتے تھے۔ اکثر مکتوبات میں اپنے مریدوں سے نظامِ اوقات دریافت فرماتے ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اپنے اطمینان کا اظہار فرماتے ہیں۔

(۱) "تقسیم اوقات و توزیع مراتب خلوت وجلوت ہمہ معلوم شد" (م ۹۳ ص ۷۱)

(۲) "تقسیم اوقات معلوم شد" (م ۶ ص ۱۱)

اگر کوئی خلیفہ اپنے پروگرام کے متعلق نہ لکھتا تو شاہ صاحب خود دریافت فرماتے۔

"اما خوب معلوم نشد کہ اوقات گرامی بکدام توزیع مصروف است آیا برنگ طالب علماں یا درویشاں یا نہ ایشاں و نہ ایشاں" (م ۱۵ ص ۲۰)

پابندی اوقات نہ کرنے والے کے متعلق صاف صاف لکھد یتے ہیں۔

"ضبط اوقات آنکه ندارد خسر الدنیا والآخرۃ است" (م ۲۲ ص ۲۶)

سرگرمیِ کار اور مشغولیت کی برابر تاکید رہتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"شما در کارِ خود سرگرم تر باشید کہ ہیچ کس بر شما شائق نتواند بود مگر آنکہ کار شما بکند" (م ۶۴ ص ۵۴)

بعض اوقات خود بھی شاہ صاحب اپنے مریدوں کے لئے نظامِ اوقات متعین فرماتے تھے۔ ایک خط میں فجر کی نماز کے بعد سے لے کر رات تک کا انفرادی اور نفلی پروگرام بتانے کے بعد اجتماعی پروگرام کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں۔

"۔ ۔ ۔ ۔ شریعت را احکام باید نمود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یاران اہلِ علم را درسِ تفسیر و حدیث و عبادات و فقہ درمیان ظہر و عصر و بعد از صبح بگوئید و اہلِ شوق کہ اندکے بعلم آشنا باشد درس لمعات و لوائح و امثال آں بہر حال مراتب تمکین بہ از مراتب تلوین است"۔ (م ۹۹، ص ۷۹-۸۰)

ذاتی مطالعہ کے لئے حدیث و فقہ، اخلاق و تصوف، سیر و تاریخ کی کتابوں کی ہدایت فرماتے ہیں۔

(۱) "بمطالعہ کتب حدیث و فقہ و سلوک چوں احیاء و کیمیا و امثال ذلک چوں تواریخ مشائخ پیشین بہتر است" (م ۷، ص ۱۴)

(۲) "درس نسخہائے سلوک و سیر مشائخ اللہ مطالعہ باید کرد۔ خاصہ تذکرۃ الاولیا شیخ فریدالدین عطار و نفحات الانس مولانا جامی و منازل السائرین و رشحات نقشبندیہ و امثال ذلک باقی ماند" (م ۹۹ ص ۷۹)

شاہ صاحب اپنے مریدوں کے تعلقات کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ اگر بربنائے بشریت کوئی جھگڑا یا بدمزگی آپس میں پیدا ہو جاتی تو اس کو جلد سے جلد رفع کرنے کی کوشش اور عفو و درگذر کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہونے پائے۔

(۱) "حقائق میاں اسداللہ و میاں ضیاء اللہ بہ تفصیل معلوم شد شما ہرگز مخالفت با ہر دو عزیز

نخواہید کرد وشما متوجہ کار خود باشید" (م ۲۰ ص ۲۴-۲۳)

(۳) "میاں اسد اللہ و میاں ضیاء الدین برادران شما اند باید کہ بایک دیگر فانی باشند واگر از یکے خلاف مرضی امرے شد دیگرے از کرم عفو نماید و بہ محبت زندگانی کنند" (م ۲۱ ص ۲۶-۲۵)

شاہ صاحبؒ نے ایک مکتوب میں جس کو خود وہ "دستور العمل" قرار دیتے ہیں اپنے تعلیمی اصول وضوابط کا پورا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اس دستور العمل کے شروع میں لکھتے ہیں :-

"اے برادر ایں نامہ مرا دستور العمل خود شناسید و در حکم آں احتیاط نمائید کہ فرد گذاشت را دراں مدخل نباشد و حداوسط از دل بروں نرود" (م ۹۶ ص ۷۳)

اس کے بعد حسب ذیل اصول بیان فرماتے ہیں :-

(۱) ایصال[۱] خیر کو مقصود قرار دیا جائے۔

(۲) ایصال خیر میں اخلاص اور تصحیح نیت سے کام لیا جائے۔ (م ۹۶ ص ۷۳)

(۳) ہجوم خلائق مستوجب شکر الٰہی ہے۔ (ص ۷۴)

(۴) اگر فتوحات ملیں تو آپس میں تقسیم کر دیا جائے ورنہ اس دن کو غنیمت سمجھا جائے جس دن فتوحات میسر نہ آئیں۔

"آنچہ مفتوح برسد باں فقیرا ہمراہ صرف نمایند و روزیکہ نرسد آں روز را غنیمت شمارید کہ در فقر وفاقہ تاثیرے عظیم است فہم من فہم" (ص ۷۴)

(۵) مسئلہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناکس کے سامنے نہ چھیڑا جائے[۲] بلکہ استعداد واہلیت

---

[۱] "خیر عبارت از فناء ماسویت از جمیع المسالک الی بقا بحق تعالیٰ و قیام المسالک فی جمع مجة اللہ ایں معنی باید کہ ہمیشہ در نظر باشد و شرح ایں را دریں نامہ نتوانم" (م ۹۶ ص ۷۳)

[۲] یہ نہایت اہم ہدایت تھی۔ متقدمین صوفیاء سلسلہ چشتیہ نے بھی اپنا اصول یہ ہی رکھا تھا گو اس مسئلہ پر ان کا ایمان تھا لیکن جاہل عوام میں اس کا پھیلانا وہ مضر سمجھتے تھے۔ حقیقت میں یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ ہر شخص اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو سمجھنے کے لئے بڑی علمی قابلیت اور صلاحیت درکار ہے۔ اگر جاہلوں میں اس مسئلہ کو بیان کیا جائے تو اس کا نتیجہ گمراہی اور بے دینی ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

دیکھنے کے بعد حسب موقع اس پر بحث کی جائے۔

"مسئلہ وحدتِ وجود را شائع پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آوردہ" (ص ۴۷)

(۶) ہندو اور مسلمان دونوں سے تعلقات رکھے جائیں تاکہ غیر مسلم تعلیماتِ اسلام سے متاثر ہوں اور

"ذکر بخاصیت خود او را بربقۂ اسلام خواہد کشید" (ص ۴۷)

(۷) مریدوں میں ادب اور احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے چونکہ

"صحبت انبیار باصحاب چناں بود" (ص ۴۷)

(۸) اپنے مریدین سے "احیائے سنت" اور "اماتتِ بدعت" کے لئے پوری پوری کوششیں کرائی جائیں۔

"ہر کہ از یاران خود اذن دہند مبالغہ در احیائے سنت و اماتتِ بدعت خواہد بود (ص ۷۵)

اشاعت سلسلہ کے لئے ہدایات | شاہ صاحب اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ جگہ جگہ مریدین کو حکم ہوتا ہے۔

(۱) "سعی در شیوع سلسلہ نمایند" (م ۱۳، ص ۱۹)

(۲) جہد بلیغ نمائید کہ مردم در سلک شما داخل شوند و بہ مرتبہ فقر رسند" (م ۴۷ ص ۶۶)

ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے۔

"شما در اصلاح دل محجوباں بکوشید کہ بعز وصال و قرب رسند و بریاضت و مجاہدہ و عشق و بے خودی مریداں و طالباں را تربیت کنید کہ تا قیام قیامت برائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انگریزی کی ایک مثل ہے "ایک شخص کی خوراک دوسرے کا زہر ہے" صوفیار کے لئے مسئلہ وحدت الوجود پر اعتقاد روحانی ترقی کے لئے ازحد ضروری تھا۔ لیکن جاہلوں میں اس کا اظہار کفر و الحاد پیدا کرنے کا پیش خیمہ۔ جس زمانہ میں یہ عقیدہ جاہل لوگوں میں پھیلا ہے گمراہی اور بے دینی عام ہوگئی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس مسئلہ کی مخالفت اس لئے بھی کی تھی کہ یہ عوام میں بے حد عام ہوگیا تھا۔
شاہ کلیم اللہ صاحب نے یہ ہدایت فرما کر گمراہی کا ایک زبردست دروازہ بند کر دیا تھا۔

مادشما فواتح پیہم ومتصل برسد" (م ۱۱، ص ۱۷- نیز م ۴، ص ۹)

ایک مرتبہ شیخ نظام الدین صاحب نے اپنے پیر و مرشد سے فتوحات قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ نے اشاعتِ سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ اگر فتوحات سے کام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہو تو قبول نہ کرنا بہتر ہے ورنہ قبول کرلینی چاہیے۔

"اے درویش خدائے تعالیٰ شمارا عقل معاش وعقل معاد ہر دو دادہ است۔ آں کنید کہ دراں اجرائے سلسلہ باشد، ماگرفتن ونا گرفتن نمی دانیم۔ اگر رونق سلسلہ ازعدم قبول است عدم قبول بہتر از قبول" (م ۱۳ ص ۱۹)

ساتھ ہی ساتھ صوفیا رمتقدمین کے فتوحات قبول کرنے کو نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"درویشان ماضی کہ قبول بعضے فتوحات کردہ اند اغلب کہ برائے استمالت خاطر معتقدان کردہ اندوالا بضرورت خودکم کسے قبول کردہ باشد" (م ۱۳ ص ۱۹)

مرید کی اشاعت سلسلہ کی کوششوں کا جب علم ہوتا ہے تو اظہار مسرت کرتے ہیں ۔ دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواحِ مشائخ اس کام سے خوش ہوتی ہیں۔ اگر شیخ کی اولاد کو خزانہ بھی دے دیا جائے تو شیخ کی روح اس قدر خوش نہیں ہوتی جتنی احیار سلسلہ کی کوششوں سے خوش ہوتی ہے۔

"پس رحمت خدائے تعالیٰ برشما باد کہ ایں سلسلہ راجاری کردید شکر اللہ سعیکم وایں ہمہ افتادگان حضیض غفلت را باوج حضور رسانیدید وارواح مشائخ باخود خوشنود کردید بالفرض اگر کسے گنجے بہ اولاد شیخ بہ بخشد آنقدر رضامندی جناب ایشاں دراں نباشد کہ در احیار سلسلہ ایشاں باشد۔ فتدبروکن من الشاکریں" (م ۴۴ ص ۵۴)

نظامِ خلافت | مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے یہاں خلافت کا نہایت مکمل اور مضبوط نظام تھا۔ ہر کس وناکس کو خلافت نہیں دی جاتی تھی اس کے لئے چند اصول مقرر تھے جن کی پابندی

لازم تھی۔ خلافت میں احتیاط کی وجہ یہ بھی تھی کہ نااہل لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام پہنچنے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کو وہ جا بجا ظاہر بھی کرتے ہیں۔ خلافت سے متعلق ان کے اصول یہ تھے۔

(۱) خلافت دینے کا مقصد اشاعتِ اسلام کے لئے جدوجہد ہے۔ (م ۳۹ ص ۳۹)

(۲) خلافت جس شخص کو دی جائے اس کے[1] تفصیلی حالات مرکز کو لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔ (م ۱۸، ص ۲۲)

(۳) صرف اہلِ علم کو خلافت دی جائے[2] اس لئے کہ

"در صحبت او ضلالت رواج نخواہد گرفت" (م ۴۷ ص ۴۵)

(۴) خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت ربانی اور خلافت سلوک۔

"اول ہر کہ حیثیت فقر داشتہ باشد باید فرمود من غیر امتیاز بین ان یکون عالما او جاہلا۔ اما قسم ثانی کہ مثال بنولیسند و بر و مہر بکنند ایں قسم مخصوصاً با اہلِ علم دارند۔" (م ۹ ص ۱۶)

(۵) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔ (م ۹۶ ص ۷۴)

عورتوں کی بیعت کے متعلق | شیخ نظام الدین صاحب کو دکن میں جو صورت حال پیش آتی تھی اس کے متعلق وہ اپنے پیرومرشد سے ہدایت اور مشورہ طلب کرتے تھے چنانچہ جب عورتوں کو

---

[1] شیخ نظام الدین صاحب نے ایک شخص محمد مرزا یار بیگ کو خلافت دی۔ شاہ صاحب نے خط لکھا

"محمد مرزا یار بیگ را خلافت دادید۔ خوب کردید۔ بیت

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس   کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس (م ۶ ص ۱۲)

اُن کی اہلیت کے متعلق رائے اس طرح قائم کی تھی۔

"از رقعہ ایشاں کہ بفقیر نوشتہ بودند۔ معنی عشق می ریخت" (م ۶ ص ۱۲)

[2] مکتوبات میں جگہ جگہ اس کا اصرار ہے م ۴۴ ص ۴۳، م ۴۹ ص ۵۶، م ۵۲ ص ۵۸، م ۹۴ ص ۷۴۔

صوفیاء متقدمین کا بھی یہی اصول تھا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیا نے علم ہی کو ہمیشہ خلافت کا معیار قرار دیا۔ جب حضرت محبوب الہیؒ کے پاس خلافت کے لئے ۳۲ درخواستیں آئیں تو بیشتر آپ نے یہ کہہ کر مسترد فرما دیں "اس کام میں پہلا درجہ علم کا ہے" (سیر الاولیا ص ۱۹۶-۱۹۵)

سلسلہ میں داخل کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو شیخ نظام الدین نے اپنے شیخ کو لکھا۔ جواب میں حکم ہوا کہ بیعت کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی خلوت سے بچا جائے اور براہِ راست ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت نہ کیا جائے چونکہ مس اجنبیہ حرام ہے۔

"برادر من زنان را بیعت کنید اما با زناں جواناں خلوتہائے طویلہ کہ موجب فتنہ مردم بشود نکنند و در صحبت اولیٰ وقت بیعت دامنے بر دست پیچیدہ دست بر دست او دارند کہ مس اجنبیہ حرام است۔" (م ۲۱ ص ۲۵)

اس مشروط اجازت نامہ کی رو سے شاہ صاحب نے عورتوں کو بھی اصلاح باطن سے محروم نہ رکھا لیکن شیخ نظام الدین نے اس کے بعد بھی عورتوں کو داخل سلسلہ کرنے میں تامل کیا، اس پر آپ نے لکھا۔

"شما در بیعت کردن با عورات چرا اہمال می ورزید اگر جوان اند و اگر پیر اگر حسین اند و اگر قبیح ہمہ را بجائے محرمات پنداشتہ کلمہ حق بگوش ایشاں باید رسانید" (م ۳۵ ص ۳۷)

چنانچہ اکثر مکتوبات میں (م ۸ ص ۶۱، م ۸۰ ص ۶۲) میں یہی ہدایت ہوتی ہے کہ عورتوں کو سلسلہ میں داخل کرو۔ رشد و ہدایت کا جو دروازہ کھولا گیا ہے اس میں عورتوں کا داخلہ کیوں روکا جائے۔ فیض عام ہونا چاہیئے اور ہر شخص کو مستفید ہونے کا موقع ملنا چاہیئے۔ صرف اتنی احتیاط لازم ہے کہ ان کو محرمات سمجھا جائے۔

اتباع شریعت کی تلقین | صوفیار کرام کے متعلق اکثر یہ غلط خیال کیا جاتا ہے کہ وہ احکامِ شریعت کی زیادہ پابندی نہیں کرتے تھے۔ یہ خیال جہل پر مبنی ہے اور حد درجہ غلط اور گمراہ کن ہے حضرات صوفیار شریعت پر نہ صرف عمل کرتے تھے بلکہ روحانی ترقی کے لئے اسے ازبس ضروری تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر روحانی ترقی کے لئے جو کوشش کی جائیگی وہ نقش برآب ثابت ہوگی۔ چنانچہ صوفیار متاخرین میں حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب نے بھی اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے۔ اور جادۂ شریعت پر چلنے کی تلقین فرمائی ہے جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) "برمنہج شریعت باید رفت" (م ۹۵ ص ۷۲)

(۲) "ظاہر را موافق شریعت تواند نگاہ داشت" (م ۱۰ ص ۱۷)

(۳) "ہمہ داخلان طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ دارند و باطن بعشق مولی پیراستہ سازند" (م ۱۲۹ ص ۹۵)

جو شریعت پر نہیں چلتا وہ گمراہ ہے اور طریقت وحقیقت کے منازل کبھی طے نہ کر سکے گا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"انچہ در شریعت راسخ نیست ناقص است، بلکہ طریقت وحقیقت او معلوم کہ حقیقتے ندارد۔ مرد آں است کہ جامع باشد میاں شریعت وطریقت وحقیقت" (م ۹۵ ص ۷۲)

وہ شریعت کو معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سے کسی شخص کی روحانی بلندی وپستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اے برادر در تفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیار است عیارِ فقر بر شریعت روشن می گردد" (م ۹۵ ص ۷۲)

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ اس طرح سمجھاتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس صاحبِ کمال مرید ہوں اور ہر ایک اپنی علیحدہ وضع رکھتا ہو اور شیخ کو ہر ایک کے متعلق حسنِ ظن ہو اور عوام بھی اچھا سمجھتے ہوں اور تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ کون شخص ان میں قیامت کے دن سب سے افضل ہوگا تو یہ دیکھو کہ ان دس آدمیوں میں سے کون شریعت کے ساتھ آراستہ ہے اگر خدا نے چاہا تو قیامت کے دن یہی شخص سب سے بلند مرتبہ ہوگا۔ (م ۹۵ ص ۷۲)

شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"بنیاد حقیقت طریقت است، و بنیاد طریقت شریعت آنکہ در چشم او جمال شریعت بیش بود طریقت وحقیقت اتم واکمل بود، علامت وصول بدرجہ حقیقت ایں است کہ روز بروز آنا فانا سالک را در شریعت قدم راسخ گردد" (م ۱۱۰ ص ۸۵)

آگے چل کر وہ اُن صوفیاء خام کی مذمت کرتے ہیں جنھوں نے شریعت کو ترک کردیا اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

"ایں ملحداں کہ شریعت را از دست دادہ کلام لاطائل ملحدانہ بسبب گدائی و لقمۂ چرب نمودہ بہ متشرعان طعنۂ بے حقیقتی میزنند تعزیر کردنی اندکہ ہمہ توحید ایشاں بے معنی است و بے لطفی قالی است بے حال زنہار درصحبت ہم چنیں حمقا نخواہند نشست" (م۱۰ ص ۸۵)

اصلاح دولت منداں شیخ نظام الدین صاحب جب دکن بھیجے گئے تو بہت جلد آپ مرجع خلائق بن گئے۔ امیر و غریب سب آپ کی خانقاہ میں حاضر ہونے لگے۔ جب دولتمندوں کا ہجوم بڑھا تو آپ کو اس سے تکلیف ہوئی۔ مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ متواتر اس ماحول سے دل برداشتگی اور تنگی کا اظہار کرتے تھے لیکن شاہ کلیم اللہ صاحب ہر بار ان کو لکھتے تھے کہ ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کرو۔ احیائے ملت اور ترویج سلسلہ کے لئے جب کوششیں ہوں گی تو سوسائٹی کے کسی حصہ کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ دولت مندوں کو متاثر کرنا بعض دیگر مصلحتوں کی بنا پر بھی ضروری ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"مقصود از دخول اہل دول نہ آں است کہ ایشاں طے مراتب درویشی کنند۔۔۔ بلکہ مقصود آں است کہ بہ سبب دخول ایں مردم اکثر مردم دیگر داخل می شوند[۲] و در نظر عوام دخول ایں مردم اعتبار تمام دارد" (م ۶ ص ۱۲)

پیرو مرشد کی اس ہدایت کے بعد شیخ نظام الدین نے دولت مندوں سے زیادہ پرہیز نہ کیا۔ بلکہ ان کی اصلاح باطن کے لئے کوشاں ہوئے۔ جب نتیجہ کوششوں کے برابر نہ پایا تو

---

[۱] شاہ کلیم اللہ صاحب کے بعد اس ہی قسم کے گمراہ کن صوفیوں کی تعداد بڑھ گئی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ یہ لکھنے کے لئے مجبور ہوگئے ــــــ "وصیت دیگر آں است کہ دست در دست مشائخ ایں زماں ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد"
وصیت نامہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ص ۳ مطبع الرحمٰن سید حیات علی شاہ جہاں آباد ۱۲۶۸ھ

[۲] ایک دوسرے مکتوب میں دولتمندوں کے متعلق لکھتے ہیں "اینہا آئینہ رجوع خواص و عوام اند" (م ۱۸ ص ۲۲)

آزردہ خاطر ہوئے اور مایوس ہو کر شیخ کو لکھا کہ میں دولت مندوں کی صحبت سے تنگ آگیا ہوں میری کوششیں بار آور نہیں ہوتیں۔ چاہتا ہوں کہ کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ پیر و مرشد نے جواب میں لکھا

"اے جان برادر معلوم باد کہ صحبت دولت منداں کسے را کہ بالطبع خوش می آید از فرقۂ فقرا نیست زیرا کہ تفاوت تمام است درمیان اوضاع غنی و فقیر ہیچ میدانید کہ شما چندیں آزار از اوضاع ایشاں چرا می کشید می خواہید کہ نفس پروراں مانند فقرار و مساکین بذوقِ ذکر و فکر و مراقبہ و تلاوتِ قرآن و اوراد و عمارتِ اوقات و سائر حسنات چوں ذوق و شوق و سماع و وجد مشرف گردند۔ . . . زینہار ازیں فرعونیاں توقع خصائل موسیٰ نداشتہ باشند غنیمت نمیدانید کہ ایشاں بآں جرأت از مرتبہ خود افتادہ گاہ باشد کہ بشما بیعت کنند ما در سلف و خلف درویشے نہ شنیدیم و ندیدیم کہ قاطبۂ اہل دول بر دست ایشاں و از صحبت ایشاں بفلاح فقرا رسیدہ باشند" (م ۷ ص ۱۳-۱۲)

شاہ صاحب نے سمجھایا کہ ان دولت مندوں سے زیادہ امیدیں وابستہ کرنی ٹھیک نہیں ان کو تم فقیر یا درویش نہ بنا سکو گے۔ ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے۔

"بہ یقین شناسید کہ دولت منداں ہرگز در ہیچ عصرے مرید ہیچ شیخ نشدہ اند اگر شدہ دولت مند نماندہ ہمہ را گذاشتہ لنگ بستہ اند" (م ۲۷ ص ۳۰)

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو ذکر و اشغال سے کیا تعلق۔ یہ تو صرف منصب و وجاہت کے لئے تعویذ گنڈے کی فکر میں رہتے ہیں۔

"یقین دانید کہ دولت منداں ذکر و اشغال را عبث کاری و ہرزہ کاری می شمارند۔ دولت منداں را تعویذے برائے منصب جاہ یا اسمے برائے زیادتی دولت و بکنت از جفر و جامع امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ باید گفت کہ ایشاں بغایت رضامند ازیں ہستند" (م ۴۵ ص ۴۴)

شیخ نظام الدین ان لوگوں میں مسلسل کام کرتے رہے۔ آخر کار اس طبقہ کے کچھ لوگ اُن کے مرید بھی ہو گئے۔ پیر و مرشد کو معلوم ہوا تو لکھا:۔

"معلوم شد کہ ازیں امیراں و منصب داراں کہ شما بیعت نمودہ اند پائے تلقین ذکر و شجرہ درمیان میباشد یانہ ایں را مفصل خواہند نگاشت" (م ۱۴ ص ۲۰-۱۹)

پھر شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کو بادشاہوں، امراء اور رؤسا سے ارتباط کی نوعیت سے بھی خبردار کرنا مناسب سمجھا۔ لکھا کہ مقصد یہ نہیں کہ تم ان سے بے حد تعلقات پیدا کر لو۔ ایسا کرنے سے کام میں خلل واقع ہوتا ہے اور روحانی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ شناسائی کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ اگر خط لکھنا ہو تو بابا فریدؒ کی طرح:۔

"وسفارش بایں نمط مستحسن است کہ اگر مصلحت باشد بکنند و الا فلا حضرت گنج شکر قدس سرہ بباد شاہ زمانہ نوشتہ بودند عرضت حاجتی الی اللہ ثم الیک فان اعطیت فاللہ ہو المعطی وانت مشکور وان منعت فاللہ ہو المانع وانت معذور والسلام[1]" (م ۶ ص ۱۲)

شاہ صاحب نے بابا فریدؒ کے اس مکتوب کو نقل فرما کر بادشاہوں اور امراء سے تعلقات کی اصل نوعیت بتا دی کہ کس درجہ خودداری اور بے تعلقی کے ساتھ ان لوگوں سے پیش آنا چاہیے تملق، خوشامد اور درباداری سے فطرتِ صوفی ابا کرتی ہے اس لئے بار بار ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) ملاقات سلاطین کہ بر در درویش آیند روا باشد اما بر در آنہا نباید رفت۔ (م ۴۴ ص ۴۳)

(۲) بر در ملوک نباید رفت و آئندہ ہر قسم کہ باشد اورا منع از آمدن نباید کرد" (م ۷۵ ص ۶۰)

(۳) درویش را باید کہ اختلاط بباد شاہاں نماید و بخانہ اہل دول طواف نماید کہ اختلاط ملوک رونق ایمان می برد" (م ۶۵ ص ۵۵)

---

[1] یہ خط حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے سلطان بلبن کے نام لکھا تھا۔ سیر الاولیا میں یہ خط موجود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔

چنانچہ شیخ نظام الدین صاحب نے ان دولت مندوں سے زیادہ اختلاط نہ کیا۔ ایک مرتبہ اعظم شاہ نے ان کی خدمت میں قابِ طعام بھیجی۔ تو اس کو قبول نہ کیا۔ پیرومرشد نے خط لکھا۔

"برادرِ من آنچہ شما کردید خوب کردید۔ فقیر کہ از دولت منداں چیزے قبول می کند باعث تالیف ایشاں می گردد و در عدم قبول وحشت می افزاید سلف صالحین ہر دو طریق ورزیدہ اند" (م ۶ ص ۱۰)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قبول و عدم قبول دونوں خدا کے لئے ہونے چاہئیں۔ اس میں اپنا نفس شامل نہیں ہونا چاہئے۔

"ہرچہ باشد برائے خدائے تعالیٰ باشد قبول و رد اگر برائے خدا است محمود است والا مذموم . . . . آں کنید کہ دراں مرضیِ خدائے تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باشد" (م ۶ ص ۱۱)

بہت لوگوں نے کوشش کی، خود سلطانِ وقت نے بلایا لیکن شاہ نظام الدین صاحب نے دربار میں جانا پسند نہ کیا۔

(۱) مرقوم بود کہ مردم بجد اند بادشاہ ملاقات کنید بلکہ فلاں شیخ جیو کہ بجد اند کہ من تقریب می کنم ملاقات بکنید۔ اے برادر ملاقات بادشاہ ہیچ نیست۔ آخر خفیف می شود درویش۔ کہ بادشاہ تا امروز ہزار درویش را دیدہ باشد اما اعتقادے و اخلاصے بہ ہیچ یکے پیدا نہ کرد" (م ۲۴ ص ۲۸)

(۲) "مفاوضہ شما کہ در و برخے از ذکر مراودت متعلقان سلطان وقت و طلب ملاقات سلطان بود رسید۔ خوب کردید کہ قبول ایں معنی نہ کردید کہ ہمیں طلب سلاطین دلیل رعونیت و جباری است اگر در طبیعت ایشاں شکستگی و فدویت فقرا باشد ابرام بہ سلطانیت نکنند بلکہ خود از سر قدم ساختہ بخدمت شتابند تا ممدوح جناب صمدیت کہ نعم الامیر علی باب الفقیر باشند" (م ۸۴ ص ۴۵)

(۳) "قبل ازیں نوشتن در جواب مکاتبے کہ دراں مذکور اشتیاق خلیفۂ وقت بود رسید

مکرر آنکہ خوب کردید کہ نہ رفتید" (م ۹۴ ص ۴۷)

(۴) "قبل ازیں نوشتہ بودید کہ یاراں ملاقات بادشاہ می خواہند۔ اما ایں معنیٰ قبول خاطر نیست . . . . زنہار قصد ایں امور کہ موجب اہانت خرقہ درویشاں است نکنند" (م ۵۹ ص ۵۲)

سماع | چشتیہ سلسلہ میں سماع کا ہمیشہ رواج رہا ہے۔ مشائخِ چشت اس کو "روحانی غذا" سے تعبیر کرتے تھے اور باوجود علمارِ ظاہر کی مخالفت کے انھوں نے اسے کبھی ترک نہیں کیا لیکن اس ضمن میں اُن کے چند نہایت سخت اصول اور قواعد تھے جن کی پابندی لازمی طور سے کی جاتی تھی۔ ہر کس وناکس محفلِ سماع میں شریک نہیں ہوسکتا تھا۔ قواعد کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار محفلِ سماع میں حضرت امیر خسروؒ نے ہاتھ اونچے کرکے رقص کرنا شروع کردیا۔ سلطان المشائخ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا تمہارا تعلق دنیا سے ہے تمہیں اس کی اجازت نہیں۔" [۱]

رفتہ رفتہ صوفیار نے ان قواعد وضوابط کو چھوڑنا شروع کردیا۔ محفلِ سماع ہوتی تھی لیکن وہ روح اور جذبہ غائب تھا جس کے بغیر صوفیار متقدمین اس کو جائز بھی نہیں سمجھتے تھے شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے جب یہ حال دیکھا تو سماع کو کم کرنے کی کوشش کی فرماتے ہیں۔

"امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند وآداب را رعایت نمی کنند" (م ۱۰۵ ص ۸۳)

وہ اس کو "ہائے ہوے سماع" کہتے ہیں اور جگہ جگہ اس کو کم کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

"اے برادر کثرتِ سماع ہم خوب ندارم بلکہ تعین ہر روز ہم نیامدہ" (م ۷ ص ۱۴)

وہ ہدایت کرتے تھے کہ سماع کی بجائے مراقبہ میں وقت صرف کیا جائے۔

"حلقہ مراقبہ وسیع از حلقہ سماع باید کرد" (م ۹۹ ص ۷۸)

اکثر مکتوبات میں (م ۱۳، م ۹۷، م ۱۰۳، م ۱۲) میں مراقبہ ہی کی ہدایت ہے وہ زمانہ کی حالت کو دیکھ رہے تھے اس لئے ڈرتے تھے کہ کہیں سماع کی شکل مسخ ہوکر نہ رہ جائے۔ فی نفسہ وہ

---

[۱] سیر الاولیا ص ۵۶۶۔ آج ہندوستان میں جس قسم کا سماع جاری ہے اس کا بعیدی تعلق بھی اس سماع سے نہیں جو صوفیار متقدمین میں رائج تھا۔

اس کے مخالف نہیں تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں اپنے پیرومرشد حضرت یحیٰی مدنی کا وہ خط نقل کیا ہے جو انھوں نے اورنگ زیب کے نام سماع کے متعلق لکھا تھا۔

"از جانب شیخ یحیٰی سلام برسد از آنجا کہ سماع قوت صالحانست منع کردن راہم وجہے ندارد۔ والسلام"۔ (م ۱۰۳ ص ۸۲)

لیکن حالات نے مجبور کر دیا کہ وہ اس معاملہ میں سختی سے کام لیں۔ خود وہ نہایت سخت اصول برتتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر مجلسِ سماع منعقد کرو تو۔

"مجلس سرود بطور ما می کنند" (م ۹۴ ص ۷۸)

یہ زمانہ تھا جب مشائخ نقشبند کے اثرات بہت پھیل رہے تھے۔ بادشاہوں پر ان کا اثر تھا۔ اور وہ ان کی رائے کی عزت کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے اس خیال سے کہ کہیں کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو، اس امر کی کوشش کی کہ جہاں مشائخ نقشبند کا اثر ہو وہاں سماع کو بند رکھا جائے۔ ایک مرتبہ جب کہ بادشاہ دکن میں تھا مشائخ سرہند حج سے واپسی پر اس کے پاس پہنچے۔ شیخ کلیم اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو مرید کو خط لکھا کہ اس زمانہ میں مجلسِ سماع کو موقوف رکھنا۔ بادشاہ کے ساتھ علمار سرہند ہیں۔

"تا ہیچان مخالفان نشود" (م ۹۴ ص ۷۸)

خاندان تیموریہ کے متعلق

سب جانتے ہیں کہ جہانگیر اور اس کے بعد کے سلاطینِ مغلیہ پر سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا بہت اثر تھا۔ اس کی ابتدار شیخ مجدد الف ثانی رح کے تجدیدی کارناموں سے ہوتی ہے۔ خواجہ محمد معصوم، شاہ سیف الدین اور دیگر بزرگان نقشبند کا جس قدر ان بادشاہوں پر اثر تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ شاہ کلیم اللہ صاحب نے اس کا ذکر بعض مکتوبات میں فرمایا ہے لیکن وہ ان اثرات کی ابتدا جہانگیر سے نہیں بلکہ تیمور سے بتاتے ہیں۔

(۱) "درایں زمانہ بادشاہ ہندوستان کہ از اولاد امیر تیمور اند بطریق حضرت نقشبندیہ بغایت آشنا اند۔ زیرا کہ امیر تیمور بحضرت خواجہ بہا الدین نقشبند ارادت تمام بود"۔ (م ۶ ص ۱۱، م ۹۹ ص ۰۰)

(۲) امروز طریقۂ نقشبندیہ بسبب آنکہ اتقیا دارند بسیار شائع است" (م ۲، ص ۵۷)

خاندان آصفیہ پر اثرات

جس زمانہ میں شیخ نظام الدین صاحب دکن بھیجے گئے تھے اس زمانہ میں نواب غازی الدین خاں وہاں موجود تھے۔ چنانچہ شیخ کے تقدس کا شہرہ سن کر انھوں نے شیخ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ شیخ نے اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا۔ پیر و مرشد کو جب معلوم ہوا تو خط لکھا۔

"مرقوم کہ غازی الدین خاں طلب ملاقات کرد۔ نرفتم خوب کردید کہ نرفتید اگر اورا فتا در خدمت فقرا بودے خودمی آمد و خود آرائی نمی کرد" (م ۳۵ ص ۳۶)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس انکار کے بعد بھی غازی الدین خاں نے اصرار کیا۔ پیر کو معلوم ہوا تو لکھا:۔

"اے درویش بدانکہ رفتن بخانہ دولت منداں یمن ندارد ..... من رخصت ایں معنی نہ دادہ ام و نخواہم داد و اگر او را نفس و شیطاں یاور نیست پس چرا بہ خدمت شما نمی آید۔ می دانند کہ پیش فقرا بادشاہاں رفتہ اند و سعادت دانستہ اند۔ غازی الدین خاں نوکر است از نوکران بادشاہ اگر احیاناً او بہ فقیر نوشت من اجازت نامہ نخواہم نوشت" (م ۸۹ ص ۶۷)

مکتوبات میں غازی الدین خاں اور شیخ نظام الدین کے متعلق اس سے زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ وہ بعد کو حاضر ہوئے اور اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو برقرار رکھا۔

آصفیہ خاندان نے دو کتابیں "احسن الشمائل" اور "مناقب فخریہ" اس سلسلہ کے بزرگوں کے حالات میں لکھیں۔ مناقب فخریہ[1] سے پتہ چلتا ہے کہ غازی الدین خاں کے بعد بھی

---

[1] مناقب فخریہ کا ایک قلمی نسخہ مجھے بچھراؤں کے ایک صاحب ذوق بزرگ قاضی جمیل احمد صاحب کے کتب خانہ میں سرسری طور سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

عقیدت مندی کا سلسلہ جاری رہا۔ میرا خیال ہے کہ نظام الملک آصف جاہ اول جن کی تعریف آزاد نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"امیرے بایں جلالتِ شان میر مسند امارت قدم نگذاشتہ اختر طالع ایں صاحب اقبال از آغاز عمر تا انجام بر مدارج ترقی صعود نمود۔ . سادات و علما و مشائخ دیار عرب و ماوراء النہر و خراسان و عجم و عراق و سند آوازہ قدردانی استماع یافتہ رو بدرگہ آوردند" سلہ

شیخ نظام الدین کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ نسخہ وہاں کے ایک پرانے رئیس مولوی ابراہیم علی صاحب نے ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۳۰ھ کو نقل کرایا تھا۔ مصنف مناقب فخریہ نے لکھا ہے:۔

"جد مرحوم راقم عفی عنہ نواب نظام الملک آصف جاہ بعد شرف بیعت در خدمت آں ظل الٰہی گشت"

لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ مصنفِ کتاب کون ہے۔ تکملہ سیر الاولیا اور خزینۃ الاصفیا میں بھی مناقبِ فخریہ کے متعلق لکھا ہے۔ لیکن مصنف کے نام میں ہر دو نے غلطی کی ہے۔

خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے۔

"نواب نظام الملک آصف جاہ کہ جد مرحوم نواب غازی الدین خاں مصنف مناقب فخریہ بود قبل از ہمہ مرید آں حضرت شد و کتاب احسن الشمائل در احوال شیخ تصنیف کرد" (جلد ۱، ص ۴۹۷)

ظاہر ہے کہ اس میں چند در چند اغلاط موجود ہیں جو اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ تکملہ سیر الاولیا میں لکھا ہے۔

نواب مستطاب نظام الملک آصف جاہ جد امجد حضرت نواب صاحب نظام الملک غیاث الدین خاں بشرف بیعت در خدمت آں ظل الٰہی مستفید گردید" (ص ۹۵)

اس عبارت کی اغلاط بھی نمایاں ہیں۔ مناقب فخریہ کا مصنف یقیناً مولانا فخر الدین چشتی خلیفہ نظام الدین کا مرید ہے اب جس کو وہ جد مرحوم قرار دیتا ہے وہ سنین کے لحاظ سے غازی الدین خاں ہو سکتے ہیں لیکن وہ آصف جاہ نہیں۔ کوئی صاحب اگر مناقب فخریہ کے مصنف کی تعین فرما سکیں تو باعث مشکوری ہو گا۔

سلہ روضۃ الاولیا۔ آزاد بلگرامی۔

ذاتی حالات | مکتوبات سے شاہ صاحب کے ذاتی حالات، افکار و رجحانات کا پتہ چلتا ہے ایک خط میں اپنی اولاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

"سہ فرزند و سہ دختر موجود اند۔ حامد بہ کتب سلوک مشغول است۔ محمد فضل اللہ دہ سالہ دوازدہ سیپارۂ قرآن حفظ کردہ، محمد احسان اللہ پنج سالہ بمکتب شدہ بخواندن ابجد مشغول است۔ اما سہ دختر یکے بخانہ محمد ہاشم دادیم بی بی رابعہ[1] نام دارد و دیگر بی بی فخر النسا برادرزادۂ خود دادیم، سیوم زینب بی بی مشہور بہ بی بی مصری چہاردہ سالہ است تا حال جائے منسوب نشدہ" (م ۱۲۵ ص ۹۳)

ایک پہلے مکتوب میں جو حامد سعید کے بچپن میں لکھا گیا ہے۔ اس طرح ان کی شکایت کرتے ہیں:۔

"فرزند حامد سعید کہ دریں پریشانی عطا شدہ دہ سالہ است چنداں دل بخواندن نمی دہد بہزار محنت کتاب منشعب در صرف می خواند" (م ۸ ص ۱۶)

شیخ محمد ہاشم کا حال ایک مکتوب میں اپنے مرید کو لکھتے ہیں۔

"تفصیل حال موصی الیہ آں است کہ بزرگان ایشاں از شہر ہا ندکہ شہریست در دکن۔ شاہ حسن پدر ایشاں مرید شیخ عبد الطیف دولت مندانی کہ بادشاہ با ایشاں اخلاص داشت شدند۔ ایشاں را اذن و اجازت الہ آباد دادہ رخصت الہ آباد نمودند۔ اینجا محمد ہاشم بہمرسید چوں بہفت سالگی رسید درگذشتند۔ حالا خانقاہ و روضہ پدر آنجا است مزار متبرک۔ ایں فرزند بہ تحصیل علم مشغول شدہ بہ دہلی آمدہ۔ ہفت ہشت سال در مدرسہ دہلی مشغول شد تا بعضے مردم از ایشاں فارغ شدند چوں بسیار صالح و فقیر و فقیر زادہ بود ایں عقد منعقد شد" (م ۵۷ ص ۵۱ - ۵۰)

شاہ صاحب کے ایک لڑکے خواجہ محمد کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔

---

[1] ایک مکتوب میں ان کا نام بی بی شرف النسا لکھتے ہیں۔ (م ۵۷ ص ۵۰)

انتقال پر اپنے مرید کو خط لکھا اور اس طرح سے شروع کیا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ مخفی نماند کہ بتاریخ بست وچہارم شہر ربیع الثانی فرزند عزیز خواجہ محمد بہ دار البقار حلت نمود۔ داغ جدائی بر سینۂ دوستاں گذاشت۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ما ہمہ صبر نمودیم وشکیبائی ورزیدیم۔ شما ہم مصابرت نمائید" (م ۴۲ ص ۴۰)

پھر لکھتے ہیں کہ حامد سعید کی درازیٔ عمر کے لئے خدا سے دعا کرو۔

"درازیٔ عمر وکمالیت فرزند عزیز حامد سعید از حضرت واہب العطایا خواہید" (م ۴۲ ص ۵۰)

شاہ صاحب مذہبی جذبات میں غرق رہتے تھے۔ سرکار مدینہ سے والہانہ محبت کا یہ عالم ہو کہ لکھتے ہیں

"دریں روزہا داعیہ زیارت حضرت مدینہ در دل جوش می زند اگرچہ اسباب آں موجود نیست۔ اما قبل ازیں بے اسباب ایں دولت میسر آمدہ بود۔ اکنوں ہم دل می کشد کہ سر وپا برہنہ شدہ جانب مدینہ رواں شدم" (م ۵۶ ص ۵۰)

مولانا آزاد کی تازہ ترین علمی اور ادبی تصنیف

غبارِ خاطر

مولانا کے علمی اور ادبی خطوط کا دلکش اور عنبر بیز مجموعہ۔ یہ خطوط موصوف نے قلعہ احمد نگر کی قید کے زمانہ میں اپنے علمی محبِ خاص نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام لکھے تھے جو رہائی کے بعد مکتوب الیہ کے حوالے کئے گئے اس مجموعے کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ مولانا ابو الکلام جیسے مجمع فضل وکمال کی تالیفات میں اپنے رنگ کی بے مثال تراوشِ قلم ہے، اِن خطوط کے مطالعہ کے بعد مصنف کے دماغی پس منظر کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے سطر سطر موتیوں سے ٹکی ہوئی ہے۔ قیمت مجلد خوبصورت گرد پوش چار روپے۔

مکتبہ برہان دہلی قرول باغ